دعوتِ اسلامی کو روکنے کے لیے قریش کی تدبیریں

(۴)

سورۂ الم نشرح کا نزول اسی کے قریب زمانے میں جبکہ دعوتِ اسلامی کے آغاز کی مشکلات حضورؐ کے لیے سخت پریشان کن ثابت ہو رہی تھیں، آپ کی تسلی کے لیے سورۂ الم نشرح نازل ہوئی جس کے بعض متعلقہ اجزاء یہاں مع تشریح نقل کیے جاتے ہیں:

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ (آیت ۱) "(اے نبیؐ) کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لیے کھول نہیں دیا؟"

اس سوال سے کلام کا آغاز، اور پھر بعد کا مضمون خود صاف ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس زمانے میں اُن شدید مشکلات پر سخت پریشان تھے جو علی الاعلان دعوتِ اسلامی کا کام شروع کرنے کے بعد ابتدائی دَور میں پیش آ رہی تھیں۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اے نبیؐ، کیا ہم نے یہ اور یہ عنایات تم پر نہیں کی ہیں؟ پھر ان ابتدائی مشکلات پر تم پریشان کیوں ہوتے ہو؟

سینہ کھولنے کا لفظ قرآن مجید میں جن مواقع پر آیا ہے ان پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دو معنی ہیں:-

۱۔ سورۂ انعام آیت ۱۲۵ میں فرمایا فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ "پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت بخشنے کا ارادہ فرماتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔" اور سورۂ زمر آیت ۲۲ میں فرمایا اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰهُ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ "تو کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو پھر وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہو......" ان دونوں مقامات پر شرحِ صدر سے مراد ہر قسم کے ذہنی خلجان اور تردّد سے پاک ہو کر اِس بات پر پوری طرح مطمئن ہو جانا ہے کہ اسلام کا راستہ ہی برحق ہے اور وہی عقائد، وہی اُصولِ اخلاق و تہذیب و تمدّن اور وہی احکام و ہدایات بالکل صحیح ہیں جو اسلام نے انسان کو دیے ہیں۔

۲۔ سورۂ شعراء آیت ۱۲-۱۳ میں ذکر آیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو جب اللہ تعالیٰ نبوت کے منصبِ عظیم پر مامور

کر کے فرعون اور اس کی عظیم سلطنت سے جا ٹکرانے کا حکم دے رہا تھا تو انھوں نے عرض کیا رَبِّ اِنِّیٓ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ وَیَضِیۡقُ صَدۡرِیۡ۔ "میرے رب میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے اور میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے"۔ اور سورہ طٰہٰ آیات ۲۵-۲۶ میں بیان کیا گیا ہے کہ اسی موقع پر حضرت موسٰیؑ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی کہ رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ وَیَسِّرۡ لِیۡٓ اَمۡرِیۡ۔ "میرے رب میرا سینہ میرے لیے کھول دے اور میرا کام میرے لیے آسان کر دے"۔ یہاں سینے کی تنگی سے مُراد یہ ہے کہ نبوت جیسے کارِ عظیم کا بار سنبھالنے اور تن تنہا کُفر کی ایک جابر و قاہر طاقت سے ٹکر لینے کی آدمی کو ہمت نہ پڑ رہی ہو۔ اور شرح صدر سے مُراد یہ ہے کہ آدمی کا حوصلہ بلند ہو جائے، کسی بڑی سے بڑی مہم پر جانے اور کسی سخت سے سخت کام کو انجام دینے میں بھی اسے تامّل نہ ہو، اور نبوت کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالنے کی اس میں ہمت پیدا ہو جائے۔

غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ کھول دینے سے یہ دونوں ہی معنی مراد ہیں۔ پہلے معنی کے لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکینِ عرب، نصاریٰ، یہود، مجوس، سب کے مذہب کو غلط سمجھتے تھے، اور اس حنیفیت پر بھی مطمئن نہ تھے جو عرب کے بعض قائلینِ توحید میں پائی جاتی تھی، کیونکہ یہ ایک مُبہم عقیدہ تھا جس میں راہِ راست کی کوئی تفصیل نہ ملتی تھی۔ (اس کی تشریح ہم تفہیم القرآن، جلد چہارم، السجدہ، حاشیہ ۵ میں کر چکے ہیں)۔ لیکن آپ کو چونکہ خود یہ معلوم نہ تھا کہ راہِ راست کیا ہے، اس لیے آپ سخت ذہنی خلجان میں مبتلا تھے۔ نبوت عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس خلجان کو دُور کر دیا اور وہ راہِ راست کھول کر آپ کے سامنے رکھ دی جس سے آپ کو اطمینانِ قلب حاصل ہو گیا۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت عطا کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ حوصلہ، وہ ہمت، وہ اولوالعزمی اور وہ وسعتِ قلب عطا فرما دی جو اس منصبِ عظیم کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے درکار تھی۔ آپ اُس وسیع علم کے حامل ہو گئے جو آپ کے سوا کسی انسان کے ذہن میں سما نہ سکتا تھا۔ آپ کو وہ حکمت نصیب ہو گئی جو بڑے سے بڑے بگاڑ کو دُور کرنے اور سنوار دینے کی اہلیت رکھتی تھی۔ آپ اِس قابل ہو گئے کہ جاہلیت میں مُستغرق اور جہالت کے اعتبار سے انتہائی اُکھڑ معاشرے میں کسی سروسامان اور ظاہراً کسی پُشت پناہ طاقت کی مدد کے بغیر اسلام کے علمبردار بن کر کھڑے ہو جائیں، مخالفت اور دشمنی کے کسی بڑے سے بڑے طوفان کا مقابلہ کرنے سے نہ ہچکچائیں، اس راہ میں جو تکلیفیں اور مصیبتیں بھی پیش آئیں ان کو صبر کے ساتھ برداشت کر لیں، اور کوئی طاقت آپ کو اپنے موقف سے نہ ہٹا سکے۔ پس

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اے نبیؐ، یہ شرح صدر کی بے بہا دولت جب اللہ نے آپؐ کو عطا کر دی ہے تو آپ اُن مشکلات پر دل گرفتہ کیوں ہوتے ہیں جو آغازِ کار کے اِس مرحلے میں پیش آرہی ہیں؟[1]

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (آیت ۴) اور تمہاری خاطر تمہارے ذِکر کا آوازہ بلند کر دیا[2]

یہ بات اُس وقت فرمائی گئی تھی جب کہ قریش کے سارے دشمنانِ اسلام حضورؐ کو بدنام کرنے میں لگے ہوئے تھے اور خاص طور پر حج کے زمانہ میں ولید بن مُغیرہ کی تجویز کردہ اسکیم کے مطابق (جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں) حاجیوں کے ایک ایک ڈیرے پر جا کر آپ کے خلاف ایسی باتیں پھیلائی جا رہی تھیں جن سے لوگ آپ سے بدگمان ہو کر آپ سے دُور بھاگنے لگیں۔ پھر اِس حالت میں یہ آپ کے رَفعِ ذکر کی خوشخبری کیسی تھی؟

سب سے پہلے تو آپ کے رفعِ ذِکر کا کام اللہ تعالیٰ نے خود آپ کے دشمنوں ہی سے لیا۔ کفارِ مکّہ نے آپ کو زک دینے کے لیے جو طریقے اختیار کیے تھے ان کی وجہ سے آپ کا اسم گرامی عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا اور مکّہ کے گوشۂ گمنامی سے نکال کر خود دشمنوں ہی نے آپ کو تمام ملک کے قبائل سے متعارف کرا دیا۔ اس کے بعد یہ بالکل فطری امر تھا کہ لوگ یہ معلوم کریں کہ وہ شخص ہے کون؟ کیا کہتا ہے؟ کیسا آدمی ہے؟ اس کے "جادو" سے متاثر ہونے والے لوگ کیسے ہیں اور ان پر اس کے "جادو" کا آخر کیا اثر پڑا ہے؟ کفارِ مکّہ کا پروپیگنڈا جتنا جتنا بڑھتا چلا گیا لوگوں میں یہ جستجو بھی بڑھتی چلی گئی۔ پھر جب اِس جستجو کے نتیجے میں لوگوں کو آپ کے اخلاق اور آپ کی سیرت و کردار کا حال معلوم ہوا، جب لوگوں نے قرآن سُنا اور انہیں پتہ چلا کہ وہ تعلیمات کیا ہیں جو آپ پیش فرما رہے ہیں، اور جب دیکھنے والوں نے یہ دیکھا کہ جس چیز کو جادو کہا جا رہا ہے اس سے متاثر ہونے والوں کی زندگیاں عرب کے عام لوگوں کی زندگیوں سے کس قدر بلند اور پاکیزہ ہو گئی ہیں، تو وہی بدنامی نیک نامی سے بدلنی

---

[1] بعض مفسرین نے شرح صدر کو شقِ صدر کے معنی میں لیا ہے اور اس آیت کو اُس معجزہ شقِ صدر کا ثبوت قرار دیا ہے جو احادیث کی روایات میں بیان ہوا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس معجزے کے ثبوت کا مدار احادیث کی روایات ہی پر ہے، قرآن سے اس کو ثابت کرنے کی کوشش صحیح نہیں ہے۔ عربی زبان کے لحاظ سے شرح صدر کو کسی طرح بھی شقِ صدر کے معنی میں نہیں لیا جا سکتا۔ علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ حمل الشرح فی الاٰیۃ علیٰ شق الصدر ضعیف عند المحققین "محققین کے نزدیک اس آیت میں شرح کو شقِ صدر پر محمول کرنا ایک کمزور بات ہے"۔

[2] اس سے پہلے آیات ۲-۳ کی تشریح گزر چکی ہے۔

شروع ہو گئی، حتیٰ کہ ہجرتِ مدینہ کا زمانہ آتے تک نوبت یہ پہنچ گئی کہ دُور و نزدیک کے عرب قبائل میں شاید ہی کوئی قبیلہ ایسا رہ گیا ہو جس میں کسی نہ کسی شخص یا کنبے نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو، اور جس میں کچھ نہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کی دعوت سے ہمدردی و دلچسپی رکھنے والے پیدا نہ ہو گئے ہوں۔ یہ حضورؐ کے رفعِ ذکر کا پہلا مرحلہ تھا جو اس سورہ کے نزول کے وقت گزر رہا تھا اور سب اس کے اثرات دیکھ رہے تھے۔

اس کے چند ہی سال بعد اس کے دوسرے مراحل پیش آئے جن کو اُس وقت کوئی بھی نہ دیکھ سکتا تھا، نہ اُن کا تصور کر سکتا تھا۔ بس اللہ ہی اُن کا علم رکھتا تھا، اور اسی نے ان کی بشارت حضورؐ کو دی۔ ہجرت کے بعد منافقین، یہود، اور عرب کے تمام اکابر مشرکین ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے میں سرگرم تھے، اور دوسری طرف مدینۂ طیبہ کی اسلامی ریاست خدا پرستی و خدا ترسی، زُہد و تقویٰ، طہارتِ اخلاق، حسنِ معاشرت، عدل و انصاف، انسانی مساوات، مالداروں کی فیاضی، غریبوں کی خبرگیری، عہد و پیمان کی پاسداری اور معاملات میں راستبازی کا وہ عملی نمونہ پیش کر رہی تھی جو لوگوں کے دلوں کو مسخّر کرتا چلا جا رہا تھا۔ دشمنوں نے جنگ کے ذریعے سے حضورؐ کے اس بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کی کوشش کی، مگر آپ کی قیادت میں اہلِ ایمان کی جو جماعت تیار ہوئی تھی اس نے اپنے نظم و ضبط، اپنی شجاعت، اپنی موت سے بے خوفی، اور حالتِ جنگ تک میں اخلاقی حدود کی پابندی سے اپنی برتری اس طرح ثابت کر دی کہ سارے عرب نے ان کا لوہا مان لیا۔ دس سال کے اندر حضورؐ کا رفعِ ذکر اس طرح ہوا کہ وہی ملک جس میں آپ کو بدنام کرنے کے لیے مخالفین نے اپنا سارا زور لگا دیا تھا، اُس کا گوشہ گوشہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه کی صدا سے گونج اٹھا۔ پھر خلافتِ راشدہ کے دور سے آپ کا نام مبارک تمام روئے زمین میں بلند ہونا شروع ہو گیا۔ یہ سلسلہ آج تک بڑھتا ہی جا رہا ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک بڑھتا چلا جائے گا۔ دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں مسلمانوں کی کوئی بستی موجود ہو اور وہاں دن میں پانچ مرتبہ اذان میں بآوازِ بلند محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان نہ ہو رہا ہو، نمازوں میں حضورؐ پر درود نہ بھیجا جا رہا ہو، جمعہ کے خطبوں میں آپ کا ذکرِ خیر نہ کیا جا رہا ہو، اور سال کے بارہ مہینوں میں سے کوئی دن اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے کوئی وقت ایسا نہیں ہے جب روئے زمین میں کسی نہ کسی جگہ حضورؐ کا ذکرِ مبارک نہ ہو رہا ہو۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے نبیؐ، اس وقت کے شدائد و مصائب سے تم کیوں پریشان ہوتے ہو۔ تمہارے رفعِ ذکر کا تو ہم نے وہ انتظام کیا ہے